حج میں رمی کے اوقات : ایک شرعی جائزہ

از:

مولانا اختر امام عادل القاسمی انڈیا

''رمی جمار'' حج کے معروف اعمال میں سے ہے،''رمی'' کے لغوی معنی ہیں، پھینکنا، ڈالنا الزام لگانا، بات اڑانا۔ (القاموس المحیط للفیروز آبادی، لسان العرب لابن منظور، الصحاح للجوھری، الموسوعۃ الفقھیہ ۱۵۰/۲۳)

قرآن کریم میں یہ لفظ دونوں ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے، اور''رمی جمار'' کے معنی ہیں چھوٹے کنکر پھینکنا۔
(بدائع الصنائع للکاسانی ۳۲۳/۲)

شریعت کی اصطلاح میں''رمی جمار'' کی تعریف ہے۔

وفی عرف الشرع ھو القذف بالحصیٰ فی زمان مخصوص ومکان مخصوص وعدد مخصوص۔
(بدائع الصنائع ۳۲۳/۲)

ترجمہ: مخصوص وقت میں، مخصوص مقام پر مخصوص گنتی کے ساتھ کنکر پھینکنا۔

جمرات تین ہیں:

(۱) جمرۂ اولیٰ، اس کو جمرۂ''صغریٰ'' بھی کہتے ہیں، منیٰ میں مسجد خیف کے بعد یہ پہلا اور قریب ترین جمرہ ہے۔

(۲) جمرۂ ثانیہ، اس کو جمرۂ''وسطیٰ'' بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ عقبہ کے درمیان واقع ہے۔

(۳) جمرۂ عقبہ، اس کو جمرۂ''کبریٰ'' بھی کہتے ہیں، یہ مکہ کی طرف منیٰ کا آخری جمرہ ہے۔

دس، گیارہ، بارہ، تیرہ ذی الحجہ کی تاریخ میں پانچ (یا اس سے زائد) ہاتھ کی دوری سے ان جمرات پر سات سات کنکریاں پھینکنے کو حج کی اصطلاح میں''رمی جمار'' کہتے ہیں۔ (ھدایہ مع فتح القدیر ۴۹۹/۲) اگر کنکریاں جمرات پر نہ پڑیں، اور اس کے قریب تین ہاتھ یا کم از کم ایک ہاتھ کے فاصلے پر گر جائیں، تو بھی رمی جمرات کے حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔ (فتح القدیر ۴۹۹/۲)

حکمت رمی:

رمی دراصل ایک یادگاری عبادت ہے، جو شیطانی اور باطل طاقتوں سے اظہارِ نفرت کے لئے، علامتی طور پر اس امت میں باقی رکھا گیا ہے، اس حکم کے پیچھے ایک یادگار واقعہ ہے، جس کا ذکر حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے، بیہقی میں، حضرت ابن عباسؓ کی روایت آئی ہے، فرماتے ہیں کہ

''جب حضرت ابراہیمؑ حکم الٰہی (بیٹے کی قربانی) کی تعمیل کے لئے چلے تو شیطان جمرۂ عقبہ کے نزدیک سامنے آیا، تو آپ

نے اسے سات کنکریاں ماریں، یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا، پھر دوسرے جمرہ کے پاس نظر آیا تو آپ نے دوبارہ اسے سات کنکریاں ماریں، یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا، پھر تیسرے جمرہ کے پاس سامنے آیا تو آپ نے سہ بارہ اسے سات کنکریاں ماریں، یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا، حضرت ابراہیمؑ کی اتباع میں ہے۔ (السنن الکبریٰ لابی بکر احمد بن الحسین البیھقیؒ، باب ماجاء فی بدؤ الرمی ۱۵۳/۵)

گویا رمی جمار امت اسلامیہ کی طرف سے شیطان اور تمام باطل قوتوں کے خلاف اجتماع نفرت کا علامتی مظاہرہ ہے، جو ہر سال پابندی کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے، حضرت ابراہیمؑ ملّی اور دینی طور پر ہمارے روحانی باپ ہیں، اور باپ کے خلاف شیطان نے جس فریب کی کوشش کی تھیں اور بار بار مزاحمت سے باز نہیں آیا تھا تو اس عظیم باپ کے تمام فرزندوں پر لازم کر دیا گیا کہ وہ اس شیطانی مزاحمت کا اجتماعی مقابلہ کریں، تو جمرات دراصل شیطانی قوتوں کی یادگار ہیں۔ ان ستونوں میں کچھ رکھا ہوا نہیں ہے، اصل یہ مقامات ہیں جہاں اللہ کے دشمن (شیطان) نے اللہ کے دوست (حضرت ابراہیمؑ) کو شکار کرنے کی کوشش کی تھیں۔

اس طرح اس دین میں امر بالمعروف اور حب فی اللہ کے اجتماعی مواقع کی طرح نہی عن المنکر اور بغض فی اللہ کے بھی اجتماعی مواقع فراہم کیے گئے، کہ جب تک ان دونوں کا توازن امت میں صحیح طور پر قائم نہ ہو، وہ راہ اعتدال پر گامزن نہیں رہ سکتی ہے۔

دنیا کے مذاہب میں اسلام واحد مذہب ہے، جہاں ظلمت ووحشت، اور ضلالت وسرکشی کے خلاف علامتی نفرت کا اجتماعی مظاہرہ ہوتا ہے، پس یہ دین فطرت اور صراطِ مستقیم ہے، "ان ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ"

ترجمہ: "بلاشبہ میرا یہ راستہ سیدھا ہے اس کی اتباع کرو! اسی میں کامیابی ہے"

حکم شرعی:

"رمی جمار" اکثر علماء کے نزدیک واجب ہے، حج کے ارکان یا فرائض میں شامل نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ۳۲۲/۲)

امام زہریؒ، علامہ ابن حزمؒ اور بعض علماء ظواہر کو اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک یہ فرض ہے۔ (المحلی لابن حزم کتاب الحج مسئلہ ۸۳۵، الموسوعۃ الفقھیہ ۱۵۱/۲۳) مگر اس قول کو مخالفِ اجماع قرار دیا گیا ہے۔

رمی جمار کے وجوب کے لئے متعدد روایات پیش کی جاتی ہیں: مثلاً حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۱۰/ذی الحجہ کو اپنی سواری پر سوار ہو کر رمی فرما رہے تھے اور ارشاد فرما رہے تھے: "خذوا عنّی مناسککم".

مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو، اس لئے کہ میں نہیں جانتا، شاید اس حج کے بعد دوبارہ حج نہ کر سکوں۔

(صحیح مسلم کتاب الحج ۹/۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں وقوف فرمایا، تاکہ

لوگوں کے سوالات کے جواب دیں، ایک آدمی نے سوال کیا، کہ میں نے بے شعوری میں ذبح سے پہلے ہی حلق کرلیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا اب ذبح کرلو کچھ حرج نہیں۔ ایک دوسرے شخص نے پوچھا کہ میں نے رمی سے قبل قربانی کرلی، آپ نے فرمایا کہ رمی کرلو کچھ حرج نہیں (بخاری مع الفتح ۱/۱۸۰، مسلم ۲/۹۴۸)

امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، اور اخبار آحاد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی، نیز اس میں نیابت جاری ہوسکتی ہے، جبکہ ارکان وفرائض میں نیابت نہیں ہوسکتی۔

رمی کا وقت:

شریعت نے رمی کے لئے ایک وقت مقرر کیا ہے، رمی کے لئے چار یوم مقرر ہیں: ۱۰/۱۱/۱۲/۱۳/ ذی الحجہ، پہلے دن کو یوم النحر اور بقیہ تین دن کو ''ایام تشریق'' کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

واذکروا اللّٰہ فی ایام معدودات فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیه، ومن تاخر فلا اثم علیه لمن اتقیٰ واتقوا اللّٰہ واعلموا انکم الیه تحشرون . (بقرہ : ۲۰۳)

ترجمہ: اور اللہ کا ذکر کرو (بعد رمی) مخصوص دنوں میں جو پہلے دو دنوں میں جلدی کر کے چلا جائے تو کوئی گناہ نہیں، اور جو دیر سے جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ اس کے لئے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

البتہ ان تمام دنوں کے وظائف میں فرق ہے، اور اس سلسلہ میں احادیث کے مضامین متنوع وارد ہوئے ہیں، جن کی بنا پر فقہاء کے درمیان بھی بعض چیزوں میں اختلاف رائے واقع ہوا ہے، جس کی مختصر تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

رمی بتاریخ ۱۰/ ذی الحجہ:

۱۰/ ذی الحجہ کو باتفاق فقہاء صرف جمرۂ عقبہ (بڑے جمرہ) کی رمی واجب ہے، اس کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے، اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ صبح صادق ہی سے اس کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اور دوسرے دن کی صبح صادق تک اس کا وقت جواز باقی رہتا ہے، البتہ وقت مسنون طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے، زوال کے بعد سے غروب تک وقت جواز ہے، کوئی کراہت نہیں، اور غروب آفتاب کے بعد سے گیارہ کی صبح صادق تک یا دس کی صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کا وقت بھی وقت جواز ہے، مگر کراہت سے خالی نہیں۔ (ھدایه مع الفتح لابن ھمام ۲/۵۱۱، ردالمحتار ۳/۴۷۴)

مگر وقت جواز میں یہ کراہت غیر معذورین کے لئے ہے، اگر کوئی شخص کسی عذر (مرض کمزوری، ازدحام وغیرہ) کی بنا پر غیر

مسنون اوقات میں رمی کرے تو کچھ کراہت نہیں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

ویکرہ للفجر ای من الغروب الی الفجر وکذا یکرہ قبل طلوع الشمس بحر وھذا عند عدم العذر فلا اساءۃ برمی الضعفۃ قبل الشمس ولا برمی الرعاۃ لیلاً کما فی الفتح . (ردالمحتار ۴۷۴/۳)

علامہ شامی نے ایک ضابطہ ذکر کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ واجب کا ترک اگر کسی عذر کی بنا پر ہو تو اس کے ترک پر کچھ واجب نہیں ہے، البتہ اگر کسی عذر کی بنا پر کسی ممنوع فعل کا ارتکاب ہو، مثلاً سلا ہوا کپڑا پہن لے تو اس پر تاوان ہے، اور اخیر میں وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو شخص بغیر عذر کے فجر سے قبل رمی کرلے تو اس نے برا کیا، مگر اس پر کچھ نہیں ہے۔ مذہب حنفی کے اکثر فقہاء کا مذہب اسی طرح ہے۔ **(ردالمحتار لابن عابدین ۴۲۹/۲)**

حضرت امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ رمی کا وقت پہلے دن زوال تک ہی ہے، اس کے بعد قضاء ہو جاتی ہے، کیونکہ بعد کے تینوں دنوں میں رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے، اور نصف آخر میں اس کا وقت رہتا ہے، تو پہلے دن رمی کا وقت زوال تک رہنا چاہئے، تاکہ نصف اوّل میں اس کی ادائیگی ہو۔ **(المبسوط ۶۴/۴ ، بدائع الصنائع ۳۲۴/۲)**

اگر کوئی شخص گیارہویں ذی الحجہ کی صبح صادق تک رمی نہ کرے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قضا کے ساتھ دم بھی واجب ہوگا، قضا کا وقت پورے ایام تشریق ہیں۔

صاحبین کے نزدیک دم واجب نہیں ہوگا، حضرت امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے، دراصل صاحبین کے نزدیک رمی کوئی موقت عمل نہیں ہے۔ **(بدائع ۳۲۶/۲)**

مالکیہ کی رائے آغاز وقت کے بارے میں وہی ہے، جو حنفیہ کی ہے۔ یعنی ۱۰/ تاریخ کی صبح صادق سے رمی کا وقت جواز شروع ہو جاتا ہے، ایک روایت میں امام احمد کی رائے بھی یہی ہے، مگر ان کا مشہور مسلک اس کے خلاف ہے، البتہ انتہائے وقت کے سلسلہ میں ان کی رائے مختلف ہے، ان کے نزدیک غروب آفتاب پر رمی کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد قضا کے ساتھ دم بھی ادا کرنا ہوگا۔ **(شرح الکبیر ۲۸/۲ ، شرح الرسالہ بحاشیہ العدوی ۴۷۷/۱ ، بحوالہ الموسوعۃ الفقھیہ)**

شافعیہ کے نزدیک یوم النحر کی نصف شب ہی سے رمی کا وقت جواز شروع ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس سے قبل وہ وقوف عرفہ کر چکا ہو ان کے نزدیک وقت تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔

(۱) افضل وقت: طلوع آفتاب سے زوال تک۔

(۲) وقت اختیار: زوال سے غروب آفتاب تک۔

(۳) وقت جواز: آخری ایام تشریق تک۔ **(المجموع للنووی ۱۶۲/۲ ، فتح الباری ۵۲۸/۳)**

حنابلہ نے وقت کی صرف دو قسمیں کی ہیں۔ان کے نزدیک بھی رمی کا وقت نصف شب سے شروع ہو جاتا ہے۔

(۱) مگر افضل وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے۔(۲) اور وقت جواز زوال سے غروب تک ہے، غروب کے بعد وقت ختم ہو جاتا ہے۔

(المغنی مع الشرح الکبیر ۴۴۳/۳، ۴۴۹، المقنع ۴۵۶/۱، زادالمعاد لابن قیم ۲۵۸/۲، ۲۵۹)

متعلقہ روایات پر ایک نظر:

اس سلسلے میں جو روایات کتب حدیث میں آتی ہیں، اور جن کو ائمہ کرام نے اپنے پیش نظر رکھا ہے۔ایک نظر ان پر ڈال لینا مناسب ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ہم لوگ جب مزدلفہ پہنچے تو حضرت سودہ نے اپنے جسم کے بھاری پن کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی کہ وہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل منیٰ روانہ ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی اور وہ راتوں رات منیٰ پہنچ گئیں، اور ہم لوگ صبح تک مزدلفہ میں مقیم رہے۔صبح جب تمام لوگوں کے ساتھ حضرت عائشہ منیٰ پہنچیں، اور وہاں انسانوں کا ہجوم دیکھا تو فرماتی تھیں کہ کاش سودہ کی طرح میں بھی رات ہی چلی آتی تو مجھے بے پناہ خوشی ہوتی۔

(بخاری حدیث نمبر ۱۶۸۰، مسلم ۷۶/۱، حدیث نمبر ۱۲۹۰)

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزدلفہ سے منیٰ راتوں رات آنے کی اجازت ہے، مگر اس میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت سودہ منیٰ آکر رمی بھی رات ہی میں کر لی تھی، روایت خاموش ہے، ممکن ہے کہ صبح صادق کے بعد ہی رمی کی ہو، جیسا کہ دوسری روایات سے سمجھ میں آتا ہے، اور پہلے اس لیے پہنچ گئیں کہ تاکہ پہلے مرحلے میں فارغ ہو جائیں، اگر ایسا ہے تو حنفیہ کے نقطۂ نظر سے بھی کچھ حرج نہیں۔اس لیے کہ صبح صادق کے بعد وقت جواز شروع ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے۔کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر کے کمزور لوگوں اور سارا ساز وسامان رات ہی میں منیٰ بھیج دیا تھا، ان سامانوں کے ساتھ حضرات ابن عباس بھی تھے، مگر آپ نے چلتے وقت حکم فرمایا: "لا ترموا الجمرة حتیٰ تصبحوا"

(شرح معانی الآثار للطحاوی ۲۱۷/۲)

ترجمہ: صبح سے قبل رمی نہ کرنا۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رات میں منیٰ پہنچ جانے کے بعد بھی ان کو حکم دیا گیا کہ صبح سے قبل رمی نہ کی جائے۔

اس روایت سے پہلی روایت کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ وہ مزدلفہ پہنچ کر نماز میں مشغول ہو گئیں، تھوڑی دیر کے بعد اپنے غلام سے کہا کہ

بیٹے دیکھو! چاند غائب ہوگیا؟ غلام نے کہا نہیں، وہ پھر نماز میں مشغول ہوگئیں، اور تھوڑی دیر کے بعد پھر دریافت کیا کہ، چاند غائب ہوگیا؟ غلام نے کہا ہاں! انھوں نے کہا تو پھر یہاں سے کوچ کرو، وہاں سے وہ منیٰ پہنچیں، اور منیٰ پہنچنے کے بعد پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی کی اور رمی کے بعد اپنی قیام گاہ پہنچ کر فجر کی نماز ادا کی، غلام نے حضرت اسماء سے کہا کہ شاید ہم نے اندھیرے ہی میں رمی کرلی ہے، انھوں نے کہا بیٹا! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے۔ (ابو داؤد ۲/۴۸۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند ڈوبنے کے بعد حضرت اسماء منیٰ کے لئے روانہ ہوئیں اور منیٰ پہنچے تک صبح صادق کا آغاز ہورہا تھا۔ مگر اندھیرا تھا، انھوں نے نماز سے قبل رمی کرلی، اس لیے کہ صرف ایک جمرہ کی رمی کرنی تھی، اور پھر اپنی قیام گاہ پہنچ کر نماز ادا کی، رمی اور نماز فجر میں کوئی زیادہ وقفہ نہیں تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی رمی صبح صادق کے بعد ہوئی تھی، ان کے غلام کو شبہ اس بنا پر ہوا کہ سویرا کھلا نہیں تھا، اندھیرا ہر طرف چھایا ہوا تھا، اور اوپر کی روایت میں آچکا ہے کہ حضور ﷺ کی ہدایت تھی کہ صبح سے قبل رمی نہ کی جائے، تو حضرت ام سلمہ نے جواب دیا کہ عورتوں کے لئے اس حد تک اجازت ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت اسماء نے کوچ کی تیاری چاند ڈوبنے کے بعد کی، اور دسویں رات کا چاند کم از کم، آٹھ گھنٹے سے قبل نہیں ڈوبتا۔ اس لحاظ سے اندازہ یہ ہے کہ چاند کم از کم رات کے قریب تین بجے غروب ہوا ہوگا، اس کے بعد تیاری میں کچھ وقت صرف ہوا ہوگا، پھر سفر کا مرحلہ طے ہوا ہوگا، اس طرح کم از کم چار بجے سے قبل منیٰ نہیں پہنچ سکی ہوں گی، اور چار بجے صبح صادق ہونا مستبعد نہیں۔ اور اس طرح راتوں رات سفر کرنا اور بالکل اندھیرے میں رمی کرنے کی اجازت خواتین اور معذورین کے لئے ہے۔ اس میں کوئی کراہت نہیں جیسا کہ اس کی توجیہ خود حضرت اسماء نے کی، کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے، یعنی عورتیں ازدھام کے خوف سے اگر تنگی محسوس کریں تو مزدلفہ کا وقوف ترک کرکے راتوں رات منیٰ جاسکتی ہیں، اور صبح کو ہجوم کا اندیشہ ہو تو اندھیرے ہی میں رمی کرسکتی ہیں۔ اور یہ حکم صرف عورتوں ہی کے لئے نہیں بلکہ بیماروں، کمزوروں اور دیگر معذورین کے لئے بھی ہے، فقہاء حنفیہ کے یہاں بھی اس کی گنجائش عذر کی صورت میں نظر آتی ہے، ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

قلت وهو شامل لخوف الزحمة عند الرمی فمقتضاه انه لو دفع ليلاً ليرمی قبل دفع الناس وزحمتهم لاشیء علیه، لکن لاشک ان الزحمة عند الرحمة وفی الطریق قبل الوصول الیه امر محقق فی زمانا فیلزم منه سقوط واجب الوقوف بمزدلفة فالاولی تقیید خوف الزحمة بالمرأة. لکون ذلک عذراً ظاهراً فی حقها یسقط به الواجب بخلاف الرجل او یحمل علی ماذا خاف الزحام فدفع لیلاً فلا شیء علیه.

(ردالمحتار ۳/۴۲۹)

ترجمہ: میری رائے یہ ہے کہ اس میں بوقت رمی کی بھیڑ بھی شامل ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی رات ہی میں روانہ ہوجائے، تاکہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل رمی کرسکے تو اس پر کچھ عائد نہیں ہوگا، لیکن ظاہر ہے کہ رمی کے وقت کی بھیڑ ہو یا راستے کی ہمارے دور میں یہ لازماً

ہوتی ہے، تب تو وقوف مزدلفہ کا حکم سب ہی کے لئے ساقط ہو جانا چاہیے، اس لیے بہتر ہے کہ اس میں عورتوں کی قید لگائی جائے کہ بھیڑ کا خوف عورتوں کے لئے عذر ہے مردوں کے لئے نہیں، الّا یہ کہ بیمار ہو یا بہت زیادہ کمزور ہو، یا اور شدید عذر ہو، اور اس کی وجہ سے وہ رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ آجائے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت آتی ہے۔ کہ وہ اپنے گھر کے کمزور لوگوں (عورتوں اور بچوں) کو آگے ہی سے منیٰ روانہ کر دیتے تھے، اور باقی لوگ رات کو مزدلفہ میں قیام کرتے تھے، اور جب چاہتے ذکر الٰہی میں مصروف رہتے، پھر وہ امام کے ٹھہرنے اور لوٹنے سے قبل روانہ ہو جاتے تو کچھ لوگ منیٰ میں صبح کی نماز کے وقت پہنچتے اور کچھ نماز کے بعد، اور جو جس وقت پہنچتا اسی وقت جمرہ پر کنکریاں مار لیتا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں یہ اجازت دی ہے۔

(اللؤ لؤ والمرجان کتاب الحج حدیث نمبر ۸۱۷، بحوالہ رمی جمار کے وقت میں توسیع ۲۶/۱، ڈاکٹر سلطان صلاح الدین)

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ صبح صادق کے بعد بھی رمی کرنا جائز ہے، اور اگر کوئی شخص یہ ہجوم کے ڈر سے ایسا کرے تو اس کے لئے اس وقت میں رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں:

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رمی الجمرة یوم النحر ضحیً ورمیٰ فی بقیّة الا یام بعد الزوال (بخاری باب رمی الجمار ۵۸۹/۳، مسلم باب بیان استحباب الرمی ۱۳۰۰/۱، ترمذی باب الرمی یوم النحر ضحی حدیث نمبر ۸۹۴)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ذی الحجہ کو چاشت کے وقت (طلوع آفتاب کے بعد) رمی فرمائی اور اس کے بعد کے دنوں میں زوال کے بعد، یہ وقت مسنون ہے، اور باتفاق فقہاء سب سے افضل وقت ہے، مگر مضبوط اور توانا اور صاحب توفیق بندوں کے علاوہ عام لوگوں کے لئے اس فضیلت کو حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان بنی عبدالمطلب کے لوگوں سے ارشاد فرمایا:

اُبنّی لا ترموا الجمرة حتی تطلع الشمس .

ترجمہ: بیٹے! جمرۂ عقبہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل مت کرو۔ **(سنن کبریٰ للبیهقی ۳۲/۵، سنن دار قطنی ۲۷۳/۲، ابن ماجه حدیث ۳۰۲۵، المجتبیٰ من السنن للنسائی باب النهی عن رمی جمرة العقبة قبل طلوع الشمس ۲۷۰/۵، ۲۷۲)**

اس حدیث میں تلقین کی گئی ہے کہ ممکن طور پر افضل میں رمی کی کوشش کرنی چاہیے۔ حضور ﷺ کے اس حکم کے مخاطب آپ ہی کے خاندان کے نوجوان لڑکے ہیں، جو مضبوط بھی تھے اور خاندانی شرافت کا تقاضا بھی تھا کہ وقت افضل کو وہ ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں دن میں رمی نہ کر سکا اور شام ہونے کے بعد رمی کی، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کچھ حرج نہیں۔ (بخاری مع الفتح ۵۶۸/۳ ، باب اذا رمیٰ بعد ما امسیٰ)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غروب آفتاب کے بعد رمی کا وقت باقی رہتا ہے، اور جو لوگ کسی وجہ سے دن میں رمی نہ کر پائیں تو ان کے لئے شام کے بعد رات میں بھی رمی کرنے کی گنجائش ہے۔

چنانچہ ایک دوسری روایت بھی حضرت ابن عباس ہی سے منقول ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رخص للرعاۃ ان یر موا لیلاً.

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی ہے۔ (**الجمتع للبیھقی ۲۶۰/۳ ، الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۱۱۳۷۹ ، مسند بزاز حدیث ۱۱۳۹**)

ان روایات سے مجموعی طور پر جو تاثر ابھرتا ہے کہ رمی کا اصل وقت جواز صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور شام کے بعد رات میں بھی باقی رہتا ہے، جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے، اسی طرح روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پورا وقت ایک حکم میں نہیں ہے، بلکہ اس میں افضل و غیر افضل کی تقسیم پائی جاتی ہے، نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عذراً ادائیگی کی صورت میں پورے وقت میں سے کسی بھی حصے رمی کرنے کی گنجائش ہے اور اس پر کچھ تاوان واجب نہیں۔

ایام تشریق میں رمی:

یوم النحر کے بعد ۱۱/۱۲/۱۳ کی تواریخ میں تینوں جمرات کی رمی کی جاتی ہے، اور تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ افضل وقت ہر دن کے زوال سے لے کر غروب تک ہے، اختلاف وقت جواز میں ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک ۱۱/۱۲/۱۳ کی تواریخ میں زوال سے قبل رمی کرنا جائز نہیں ہے، حنفیہ کی مشہور روایت بھی یہی ہے۔ (**بدائع الصنائع ۳۲۴/۲، شامی ۴۸۰/۳ ، الشرح الکبیر ۷۴۸/۲، ۵۰شرح الرسالہ ۴۸۰/۱، الایضاح /۴۰۵ ، نہایۃ المحتاج ۴۳۲/۲ ، مغنی الحقائق ۵۰۷/۱، المغنی ۴۵۲/۳، الشرح الکبیر سے المغنی تک حوالہ الموسوعہ سے لئے گئے ہیں**)۔

مگر امام ابوحنیفہ کی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ ان دو دنوں میں زوال سے قبل بھی جائز ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جس طرح یوم النحر میں زوال سے قبل رمی کا وقت ہے تو دوسرے دنوں میں بھی اس کی وقتیت باقی رہنی چاہئے۔

(**بدائع الصنائع ۳۳۴/۲، ردالمحتار ۴۸۱/۳**)

بعض حنابلہ کا بھی یہی قول نقل کیا جاتا ہے۔(الفروع ۵۱۸/۳، بحوالہ الموسوعة الفقهيه /۱۵۸) جمہور علماء کے پیش نظر فعل رسول اللہ ﷺ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زوال کے بعد رمی فرمائی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ:

كنا نتحين فاذا زالت الشمس رمينا . (بخاری مع الفتح ۵۷۹/۳)

ترجمہ: ہم انتظار کرتے جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے تھے۔

حضرت جابر کی روایت پہلے آچکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر میں چاشت کے وقت اور دیگر دنوں میں زوال کے بعد رمی فرمائی۔(مسلم ۹۴۵/۲، مطبوعه المحلبی)

مگر ہمارے دور میں لوگوں کے ہجوم کو دیکھتے ہوئے رفع حرج کے لیے امام ابوحنیفہؒ سے منقول دوسری روایت زیادہ قابل لحاظ معلوم ہوتی ہے، اور روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ فعل رسول کو سنیت اور فضیلت پر محمول کیا جائے اور باقی وقت کو وقت جواز قرار دیا جائے۔

انتہائے وقت جواز:

اسی طرح ان تواریخ میں وقت جواز کے اختتام کے سلسلے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے میں وقت کا اختتام ۱۳/ تاریخ کو غروب آفتاب پر ہوتا ہے، اس دوران کسی بھی دن میں رمی کرنے سے رمی ادا ہو جاتی ہے، اور اس کو قضا نہیں قرار دیا جائے گا، شافعیہ کا قول اصح یہی ہے، البتہ ترتیب کی رعایت ضروری ہے، اگر کوئی چھوٹی ہوئی رمی کو ۱۳/ کے غروب آفتاب تک بھی پورا نہ کرسکے تو اس کی رمی فوت ہو جائے گی، اور اس پر فدیہ واجب ہوگا۔ (الام ۲۴/۲، الایضاح ۴۰۷/۱، نهايت المحتاج ۴۳۵/۲، ۴۳۶، مغنی المحتاج ۵۰۸/۱، ۵۰۹، المغنی ۴۵۵/۳، الفروع ۵۱۸/۳، ۵۱۹، بحواله الموسوعة الفقهيه ۱۵۹/۲۳)

مالکیہ کے یہاں اس باب میں سب سے زیادہ تنگی ہے، وہ پورے ایام تشریق میں رمی کو زوال سے غروب آفتاب تک محدود کرتے ہیں، ان کے نزدیک غروب کے بعد رمی کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اگر کوئی غروب تک رمی نہ کرے تو قضاء کے ساتھ دم بھی واجب ہوگا۔ (الشرح الكبير ۵۱/۲، شرح الرسالة مع الحاشيه ۴۷۷/۱، ۴۸۰)

مگر حنفیہ کے پیش نظر وہ روایات ہیں جن میں آپ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی۔

(طبرانی کبیر حدیث نمبر ۱۱۳۷۹ ، مسند بزاز رقم ۱۱۳۹)

علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ چرواہوں کے ساتھ رعایت کسی عذر کی بنا پر نہیں تھی اس لیے کہ عذر کی صورت میں نائب بنانے کی اجازت ہے، اگر فی الواقع وقت نہیں رہتا تو ان کو نائب بنانے کا حکم دیا جاتا، لیکن مغرب کے بعد اجازت دینا وقت میں گنجائش کا ظاہر کرتا ہے۔ (بدائع الصنائع ۳۲۴/۲)

حنفیہ کی رائے توسع واعتدال کی حامل ہے:

اسی طرح حنفیہ کے یہاں بڑی حد تک توسع اور اعتدال ملتا ہے، آخری دن (۱۳/ذی الحجہ) کی رمی میں بھی جمہور علماء کے مقابلے میں حضرت امام ابوحنیفہ کے یہاں بہت توسع ہے، ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ میں، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک آخری دن بھی زوال سے قبل رمی کی اجازت نہیں ہے، جبکہ سب اس پر متفق ہیں کہ غروب آفتاب سے رمی کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اور قضا کی بھی مدت باقی نہیں رہ جاتی ہے، یعنی ہر شخص کو زوال سے غروب ہی تک کے دوران رمی کر لینی ہے، ورنہ رمی فوت ہو جائے گی۔ اور دم واجب ہوگا۔ **(حوالہ جات سابقہ)**

مگر حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ چونکہ یہ آخری اور روانگی کا دن ہے، اگر کوئی شخص غروب کے بعد منیٰ سے روانہ ہو تو راستہ میں اس کے لئے دشواریاں پیش آسکتی ہیں، اس لیے چاہے تو زوال سے قبل ہی، رمی کر کے فارغ ہو جائے۔ **(بدائع ۳۲۶/۲)**

امام احمد سے بھی ایک روایت اسی مضمون کی نقل کی گئی ہے۔ **(الموسوعه ۱۵۸/۲۳)**

شامی نے زوال سے قبل رمی کو کراہت کے ساتھ جائز کہا ہے۔ **(ردالمحتار ۴۸۰/۳)** مگر بعض متاخرین حنفیہ نے حج کے موقع پر انسانی ہجوم اور وقت کی تنگ دامانی کو دیکھتے ہوئے امام ابوحنیفہ کے اس قول کو زیادہ لائق ترجیح قرار دیا ہے۔

(الموسوعة الفقهيه ميں البحر العميق، ارشاد الساری)

اور **كتاب المناسك لملاعلی قاری ۱۶۱** وغیرہ کے حوالوں سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے)۔ **فهو قول مختار يعمل به بلا ريب وعليه عمل الناس وبه جزم بعض الشا فعية حتى زعم الا سنوی انه المذهب . (۱۰۸/۲۳)**

ترجمہ: یہی قول مختار ہے بلاشبہ اسی پر عمل کیا جائے گا، اور لوگوں کا عمل اسی پر ہے، اور بعض شوافع نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے، بلکہ اسنوی تو اس کو اصل مذہب قرار دیتے ہیں۔

موسوعہ کے مرتب نے اپنے خیال کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

والا خذ بهذا مناسب لمن خشي الز حام ودعته اليه الحاجة لا سيّما في زما ننا. (۱۵۸/۲۳)

ترجمہ: جس شخص کو بھیڑ کا اندیشہ ہو اور کوئی حاجت درپیش ہو اس کے لئے اسی قول کو اختیار کرنا مناسب ہے، بالخصوص ہمارے دور میں۔

مشکلات کو حل کرنے کی ضرورت ہے:

اس تفصیل کی روشنی میں اس سلسلے میں رکھنے والے سوالات اور مشکلات کو حل کیا جا سکتا، آج کل حجاج کی بڑھتی ہوئی مقدار کے پیش نظر رمی جمار کے موقع پر بڑا ہجوم ہو جاتا ہے، جو سخت ترین انتظامات کے باوجود قابو سے باہر ہوتا ہے، اور اس کے نتیجے میں بعض مرتبہ بڑے حادثات رونما ہوتے ہیں، مثلاً ۱۴۱۸ھ میں کم از کم (۳۷۵) اور ۱۴۲۴ھ میں (۲۵۰) حجاج شہید ہوئے، جیسا کہ عالمی

اخبارات اور ریڈیو سے نشر ہوا، حاجیوں کی تعداد آئندہ اور بھی بڑھ سکتی ہے، حکومت سعودیہ نے اپنی مجبوریوں کے باعث حجاج کی تعداد کی تحدید کر رکھی ہے، مگر دنیا میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، اور اشاعت اسلام کے پیش نظر یہ تحدید بالیقین اسلام کی آفاقیت کے منافی ہے، اور اس تحدید میں مزید توسیع کی ضرورت ہے۔

اس لیے آج کے دور میں بالیقین رمی کے پورے نظام کا جائزہ لینا چاہئے، اور لوگوں کی جان و مال کی حفاظت، حج کی سعادت میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی شرکت اور ملت اسلامیہ کو خفت و بدنامی سے بچانے کے لئے توسیع کا وہ راستہ اختیار کرنا چاہئے، جو ائمہ اربعہ میں سے کسی کے معتبر قول کے مطابق ممکن ہو، اس لئے کہ

(۱) اولاً رمی جمار فرض نہیں، واجب ہے، یہی وجہ ہے کہ بوقت ضرورت اس معاملے میں اپنا نائب بنانے کی اجازت ہے، جبکہ ارکان وفرائض میں نیابت جاری نہیں ہو سکتی۔ (فتح القدیر لابن ہمام ۲/ ۴۹۵) اور انسانی جانوں کی حفاظت فرض ہے، اس لیے واجب کے لئے فرض کو ضائع نہیں کیا جائے گا۔

(۲) حضرت سلیمان بن عمرو بن الاحوص اپنی ماں کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں، فرماتی ہیں کہ:

رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یرمی الجمرة من بطن الوادی وھو راکب یکبر مع کل حصاة ورجل من خلفہ یستر ہ. فسألت عن الرجل فقالوا: الفضل بن عباس ، وازدحم الناس فقال علیہ الصلوٰة والسلام یایھا الناس لا یقتل بعضکم بعضاً واذا رمیتم الجمرة فارموا بمثل حصی الخذف. (ابو داؤد حدیث ۱۹۶۶ ، ابن ماجہ حدیث ۳۰۲۸، احد ۳/۵۰۳، نصب الرلیة ۳/۷۵)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بطن وادی سے سوار ہو کر جمرہ کو رمی فرما رہے تھے، اور ہر تلبیہ کے ساتھ تکبیر فرماتے تھے، اور ایک صاحب آپ کے پیچھے ڈھال بنے ہوئے تھے میں نے ان کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ''فضل بن عباسؓ'' ہیں۔ لوگوں کو ہجوم آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ''اے لوگو! کوئی کسی کو جانی نقصان نہ پہنچائے، رمی جمرہ کرو تو چھوٹی کنکریوں سے کرو''

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر ازدھام فطری چیز ہے۔ اس لئے جانی نقصان کا اندیشہ: ہر حال ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمی جمار کے دوران کسی کی جان تلف نہ ہونی چاہئے۔

اس ارشاد عالی کا تقاضا ہے کہ رمی جمار میں ایسے نظام کو اختیار کیا جائے گا۔ جس میں تحفظ جان کی زیادہ سے زیادہ ضمانت ہو، اس لئے ایک طرف منیٰ میں مکانی توسیع کی کوشش تیز ہونی چاہئے تو دوسری طرف ایسے مسلک فقہی کو اختیار کیا جانا چاہئے جس میں فطری اعتدال دین کے روح و مزاج کی رعایت و تحفظ جان کی ضمانت اور لوگوں کے لئے وسعت و راحت کا سامان موجود ہو۔

(۳) نیز ضرورت اور حرج کے موقع پر شریعت نے جو وسعت دی ہے اس سے بھی استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج . (المائدہ : ٦)

ترجمہ: اللہ نہیں چاہتے کہ تم کو حرج میں ڈالے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وما جعل علیکم فی الدین من حرج . (الحج : ٧٨)

ترجمہ: دین میں تمہارے لئے اللہ نے تنگی نہیں پیدا کی۔

نیز ارشاد ہے:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر . (البقرۃ: ١٨٥)

ترجمہ: اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں دشواری نہیں چاہتے۔

اسی چیز کو فقہاء نے مختلف ضابطوں کے تحت بیان کیا ہے۔

مثلاً : اذا ضاق الا مر اتّسع.

ترجمہ: جب تنگی آتی ہے تو وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

المشقۃ تجلب التیسیر.

ترجمہ: دشواری آسانی لے کر آتی ہے۔**(الا شباہ و النظائر)**

شریعت کے اس نظریہ اتساع کا تقاضا یہ ہے کہ حرج و تنگی کے سنگین مواقع پر حتی الامکان توسع کا راستہ اختیار کیا جائے۔

زیادہ قابل قبول مسلک:

علماء نے لکھا ہے۔ضرورت کے وقت کسی بھی مذہب فقہی پر عمل وفتوٰی کی گنجائش ہے۔جس کے لئے کچھ حدود اور ضوابط مقرر کئے گئے ،لیکن بحیثیت مجموعی ائمہ اربعہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک اس باب میں زیادہ محتاط ،معتدل اور توسع کا حامل ہے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں آراء کی تشریح کے دوران اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مثلاً حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ١٠/ذی الحجہ کو صبح صادق سے دوسرے دن کے صبح صادق تک رمی کا وقت ہے، جو کافی وسیع وقت ہے۔

حضرت امام شافعی نے نصف شب ہی سے مانا ہے،اور مزید توسع دی ہے، مگر اس میں ایک طرف وقوف مزدلفہ کا حکم متاثر ہوتا ہے، دوسرے کوئی مضبوط اور واضح دلیل اس موقف کے لئے نہیں ہے،اور کام صبح صادق کے وقت کو مان کر بھی حل ہوسکتا ہے۔اس لئے احتیاط یہ ہے کہ نصف شب سے رمی کا آغاز نہ کیا جائے کہ ممکن ہے اللہ کے نزدیک یہ قبل از وقت رمی قرار پائے۔

۱۱/۱۲/۱۳/ کی تواریخ میں بھی حضرت امام ابوحنیفہ ایک روایت کے مطابق صبح صادق سے رمی کا وقت مانتے ہیں، اور رات کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں، جس سے بڑی آسانی ہوجاتی ہے۔ دوسرے فقہاء زوال سے قبل رمی کا وقت نہیں مانتے ہیں۔ مالکیہ نے وقت رمی کو اور بھی زیادہ مختصر کر دیا ہے، اور اس کو صرف غروب تک محدود کیا ہے۔

سوالات کے جوابات:

اس لحاظ سے حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب آسان اور دین کے مزاج اور زمانہ سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔ اس روشنی میں:

(۱) ۱۰/ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے۔

(۲) ۱۱/۱۲/ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ہے۔

(۳) ۱۱/۱۲/ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد بلا کراہت جائز ہے۔

(۴) ۱۳/ذی الحجہ کی صبح صادق سے قبل منیٰ سے نکل جائے تو حرج نہیں لیکن صبح صادق کے بعد رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اس لئے اس پر رمی لازم ہوجائے گی، اگر رمی نہ کرے گا تو دم لازم ہوگا۔

بہتر یہ ہے کہ جس نے ۱۳/ کو نہ کیا ہو وہ ۱۲/ کے غروب آفتاب سے قبل منیٰ چھوڑ دے، غروب کے بعد نکلنا مکروہ ہے، مگر تاوان واجب نہیں ہوگا، اور اگر تاخیر ہجوم کی وجہ سے ہوئی ہو تو کراہت نہیں ہوگی، البتہ رمی زوال سے قبل بھی کر سکتا ہے، شامی نے اسے مکروہ لکھا ہے۔ (ردالمحتار ۳/ ۴۸۱) مگر بعض متاخرین حنفیہ نے آج کے حالات میں اسی کو قابل ترجیح کہا ہے۔

(۵) بہت زیادہ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین کے لئے احتیاط یہ ہے کہ ۱۰/ذی الحجہ کو صبح صادق میں اندھیرے ہی رمی کریں اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، اس لئے کہ وقت میں بہت گنجائش ہے، البتہ اگر معذورین کو اندیشہ ہو کہ وہ صبح کے بعد ہجوم کی وجہ سے رمی نہ کر سکیں گے تو مناسب یہ ہے کہ وہ رمی کے لئے اپنا نائب مقرر کریں اور خود رمی کے لئے نہ جائیں اور نہ نصف شب کے بعد رمی کریں کیونکہ نیابت کی شریعت نے اجازت دی ہے، اس لئے رمی کو قبل از وقت کے خطرہ میں ڈالنا بہتر نہیں۔

منیٰ میں حجاج کے قیام کی شرعی حیثیت:

(۱/۲/۳) رمی کے درمیان حاجیوں کو منیٰ میں قیام کرنا مسنون ہے، واجب نہیں، اس لئے منیٰ کے حدود میں قیام کرنا اگر کسی عذر کی وجہ سے ممکن نہ ہو تو دوسری جگہ قیام کرنا بلا کراہت جائز ہے، البتہ بلا عذر منیٰ کے حدود سے باہر قیام کرنا مکروہ ہے۔ (ردالمحتار ۳/ ۴۷۹)

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

(بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)